اقوال زرّیں

❐ سب سے بہتر مومن وہ ہے، جو خود قرآن پاک کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔
❐ مذہب میں سے انسانیت اور خدمت نکال دی جائے تو صرف عبادت رہ جاتی ہے اور محض عبادت کے لیے پروردگار کے پاس فرشتوں کی کوئی کمی نہیں۔
❐ پرہیزگار شخص کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف اور آنکھ میں حیا ہوتی ہے۔

’ترقی یافتہ‘ ہندوستان اور بھوکے بچے

لوک سبھا انتخاب کے دوران بھارتیہ جنتا پارٹی نے سال 2023 میں 28 کروڑ افراد کے غربت سے باہر نکلنے کی خبروں پر دھواں دھار مہم چلائی تھی اور اسے ایک بڑی کامیابی سے تعبیر کرتے ہوئے ووٹروں کو بتایا تھا کہ یہ مودی جی کا فیض عام اگر جاری رہا تو آنے والے برسوں میں ہندوستان سے غربت کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا۔ انتخاب ہوئے، نتائج آئے، حکومت بنی، نریندر مودی تیسری بار ملک کے وزیراعظم بن گئے۔ اس دوران یونیسیف نے ایک رپورٹ جاری کی ہے جس کے مشمولات بتاتے ہیں کہ ترقی کے تمام تر دعوؤں کے درمیان ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں چار دہائی قبل تھے۔ بچوں کے حوالے سے یونیسیف نے جو رپورٹ جاری کی ہے، اس میں کئی چونکا دینے والے انکشافات سامنے آئے ہیں۔ اس رپورٹ میں ہندوستان کا شمار دنیا کے ان بدترین ممالک میں کیا گیا ہے جہاں بچوں کو مناسب غذائیت نہیں ملتی ہے۔

اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بھوک کے حوالے سے ہندوستان کی صورتحال بہت خراب ہے۔ یہاں بچوں کو مناسب خوراک نہیں ملتی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ پاکستان کی صورتحال ہندوستان سے بہتر ہے۔ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ہر چوتھا بچہ بھوک کا شکار ہے اور اچھی خوراک حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کررہا ہے۔ 181 ملین بچوں میں سے 65 فیصد بچے شدید بھوک میں رہنے پر مجبور ہیں۔ یہ نتائج یونیسیف کی عالمی ’چائلڈ نیوٹریشن رپورٹ 2024‘ کا حصہ ہیں۔ یونیسیف کے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ عالمی سطح پر 4 میں سے 1 بچہ شدید زمرے میں آتا ہے اور انتہائی ناقص خوراک کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔ یونیسیف نے اپنی ’چائلڈ نیوٹریشن رپورٹ 2024‘ میں 92 ممالک پر تحقیق کی۔ دستیاب اعداد وشمار کے مطابق 92 ممالک میں بچوں کی خوراک کی شدید غربت میں رہنے والے بچوں کی شرح بیلاروس میں 1 فیصد سے لے کر صومالیہ میں 63 فیصد ہے، جب کہ ہندوستان میں یہ شرح 40 فیصد ہے، جسے ’سنگین‘ زمرے میں رکھا گیا ہے۔ صومالیہ کے بعد گنی (54 فیصد)، گنی بساؤ (53 فیصد)، افغانستان (49 فیصد)، سیرا لیون (47 فیصد)، ایتھوپیا (46 فیصد) اور لائبیریا (43 فیصد) میں صورتحال سب سے زیادہ خراب ہے۔ ہندوستان میں بچوں کی غربت کی شرح 40 فیصد ہے جو کہ بہت ہی سنگین زمرے میں آتی ہے۔ پاکستان کے حالات ہندوستان سے بہتر ہیں یہاں کے 38 فیصد بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ ہندوستان ان 20 ممالک میں شامل ہے جہاں بچوں کو ضروری غذائیت سے بھرپور خوراک نہیں مل رہی ہے۔

اس عالمی مطالعہ کے نتائج ہندوستان کیلئے اہم ہیں۔ مرکزی وزارت صحت کے نیشنل فیملی ہیلتھ سروے 5 کے مطابق اس سے کم عمر بچوں میں سٹنٹنگ (بچوں کی جسمانی نشوونما) کا پھیلاؤ 35.5 فیصد اور کم وزن کی شرح 32.1 فیصد ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ملک میں جو بھی غربت اور بھوک مٹانے کیلئے کئی سرکاری اسکیمیں چل رہی ہیں، اس کے علاوہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے بچوں کو غذائیت سے بھرپور کھانا فراہم کرنے کی اسکیمیں بھی چلائی جارہی ہیں۔ آئی سی ڈی ایس اسکیم پہلی بار ملک میں 2 اکتوبر 1975 کو خواتین اور بچوں کی ترقی کی وزارت نے شروع کی تھی۔ اس اسکیم کو ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال اور نشوونما کیلئے دنیا کے سب سے بڑے اور منفرد پروگراموں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ اس اسکیم میں کمزور گروپوں کو نشان زد کیا گیا ہے جن میں 0-6 سال کی عمر کے بچے، حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی مائیں شامل ہیں۔ یہ اسکیم 6 خدمات کا مکمل پیکیج فراہم کرتی ہے یعنی سپلیمنٹری نیوٹریشن، امیونائزیشن، ہیلتھ چیک اپ، نیوٹریشن اور ہیلتھ ایجوکیشن، پری اسکول کی غیر رسمی تعلیم اور ریفرل سروسز وغیرہ۔ اس کے علاوہ مڈ ڈے میل اسکیم، اندرا گاندھی میٹرنٹی سپورٹ اسکیم بھی چلائی جاتی ہے۔ ان سب کے باوجود اگر ملک میں غذائی قلت برقرار ہے اور بچوں کو غذائیت سے بھرپور کھانا نہیں مل رہا ہے تو یہ حکومت کی کھلی ناکامی ہے۔

ممکن ہے حکومت اس حوالے سے یونیسیف کے ڈیٹا پر ہی سوال اٹھائے اور اسے ہندوستان کے خلاف سازش قرار دے لیکن اس کے باوجود اس ڈیٹا کو مکمل طور پر رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ غذائیت کی کمی معاشرے اور خاص طور پر حکومت کیلئے سنگین تشویش کا باعث ہونا چاہیے۔ غذائیت کے حوالے سے 2030 کیلئے مقرر کردہ اہداف کے مطابق دنیا میں پانچ سال سے کم عمر بچوں میں ضائع ہونے کی شرح کو 3 فیصد تک لانا ہوگا۔ 28 کروڑ افراد کو غربت کے دائرہ سے باہر نکال کر اسے عالمی ترقی کا سنہرا باب قرار دینے کے باوجود ہندوستان میں فی الحال یہ شرح 31.7 فیصد ہے۔ اس صورتحال میں 2030 تک ہندوستان اپنے لیے مقرر کردہ ہدف کیسے حاصل کرپائے گا، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

edit2sahara@gmail.com

سیکولر اسٹیٹ کی پارلیمنٹ میں نعرے

محمد حنیف خان

ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے، جو ملک کی سالمیت اور اس کے بقائے امن کا ضامن ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس سیکولر اور جمہوری ریاست کے قیام سے قبل سے ہی اسے ایک مذہبی ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے تھے، جو ابھی تک اپنے مذموم مقاصد میں اگرچہ کامیاب نہیں ہوسکے ہیں مگر انہوں نے اس فکر کو ترک بھی نہیں کیا بلکہ آج بھی وہ ہر سطح پر کوشاں ہیں کہ کسی بھی صورت میں اسے مذہبی ریاست میں تبدیل کردیا جائے۔ 18ویں لوک سبھا کے لیے عام انتخابات کے بعد ہوئی حلف برداری میں یہ منظر پورے ملک اور دنیا نے دیکھا کہ پارلیمنٹ جیسے جمہوری اور سیکولر ادارے میں طرح طرح کے نعرے گونجے۔ لیکن اچھی بات یہ رہی کہ اسی پارلیمنٹ سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی اور متنازع و غیر جمہوری نعروں کو سخت الفاظ میں مسترد بھی کردیا گیا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ جس آئین کی سالمیت اور اس کے نفاذ کا حلف ان ممبران پارلیمنٹ نے لیا، انہوں نے اسی لمحے اخلاقی سطح پر اس کی دھجیاں بھی اڑا دیں۔ پارلیمنٹ میں یوں تو کئی ممبران پارلیمنٹ نے حلف اٹھانے کے درمیان متنازع نعرے بازی کی مگر تین ممبران پارلیمنٹ اسدالدین اویسی، ارون گوول اور چھترپال سنگھ گنگوار ایسے رہے جنہوں نے ملک کے جمہوریت پسند عوام کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ اسدالدین اویسی نے حلف برداری کے آخر میں جے فلسطین جوڑا، بریلی سے ممبر پارلیمنٹ چھترپال سنگھ گنگوار نے جے ہندو راشٹر کا نعرہ لگایا جبکہ میرٹھ سے پارلیمنٹ ارون گوول نے جے شری رام کے نعرے لگائے۔ حیدرآباد سے رکن پارلیمان اسدالدین کے ذریعہ جے فلسطین کے نعرہ لگائے جانے کے بعد ہمیشہ کی طرح تنازع شروع ہوگیا جبکہ پارلیمنٹ میں لگائے گئے جے ہندو راشٹر اور جے شری رام کے نعروں کے پس پشت چھپی فکر اور معاشرے پر پڑنے والے اس کے منفی اثرات پر گفتگو نہیں ہوئی بلکہ حکمراں پارٹی سے وابستہ ممبران پارلیمنٹ سے لے کر باہر ٹی وی چینلوں اور سوشل میڈیا تک پر سب اویسی کے پیچھے پڑ گئے اور ان کے خلاف ایک محاذ کھول دیا۔ ایک ٹی وی چینل نے تو یہاں تک اسکرولنگ چلا دی کہ کیا اویسی اب ”سابق ممبر پارلیمنٹ ہوجائیں گے۔“ اسدالدین اویسی کو بطور سابق ممبر پارلیمنٹ دیکھنے کی خواہش رکھنے والے آئین ہند کی دفعہ 102 کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دفعہ کی رو سے ان کی رکنیت منسوخ کردی جانی چاہیے۔ دراصل آئین ہند کی دفعہ 102 ممبران کی رکنیت کی منسوخی کے تعلق سے ہے جس کی ذیلی شقوں پر 19 مئی 1949 اور 13 اکتوبر 1949 کو دوبار بحث ہوئی جس کے بعد اسے آئین میں شامل کرلیا گیا۔ سب سے زیادہ بحث اس بات پر ہوئی کہ حکومتیں اس دفعہ کا غیر مناسب استعمال نہ کرکے اپنے مخالفین کو پارلیمنٹ سے باہر نہ کرسکیں، اس دفعہ میں دوبار ترمیم بھی ہوچکی ہے۔ دفعہ 102 میں پانچ شقیں ہیں، چوتھی شق (گھ) کے تحت کہا گیا ہے کہ ایسا رکن پارلیمنٹ جو ہندوستان کا شہری نہیں ہے یا اس نے اپنی مرضی سے کسی دوسرے ملک کی رکنیت حاصل کرلی ہے یا کسی دوسرے ملک کے تئیں وفاداری یا اس کے قانون پر ترجیحی بنیاد پر عمل کرتا ہے تو اس کی رکنیت منسوخ ہوجائے گی۔ اس تیسری شق کے آخری جز کو ہی مدنظر رکھ کر یہ دعویٰ کیا گیا اور صدر جمہوریہ سے لے کر سپریم کورٹ تک میں عرضی دے کر مطالبہ کیا گیا کہ ان کی رکنیت کو منسوخ کردیا جائے۔ بادی النظر میں تو محسوس ہوتا ہے کہ اسدالدین اویسی نے ’جے فلسطین‘ کا نعرہ لگا کر غلط کیا اور اس موقع پر ایسا کرنا غیر مناسب بھی تھا مگر اس نعرے کے ذریعہ وہ کسی دوسری ریاست کے تئیں نہ تو اپنی وفاداری کا اظہار کررہے تھے اور نہ خود پر وہاں کے قوانین کا نفاذ کر رہے تھے بلکہ اس وقت روئے زمین کے سب سے مظلوم، مقہور اور محروم ملک کے عوام کی جانب وہ حکومت اور ممبران پارلیمنٹ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ہندوستان کی حکومت فوری طور پر اقدام کرکے اس جنگ کو بند کرانے میں اپنا کردار ادا کرے تاکہ فلسطین کو انسانیت کی پامالی سے بچایا جاسکے، پارلیمنٹ کے باہر انہوں نے اپنے نعرے کی یہی توضیح بھی کی اور بتایا کہ انہوں نے یہ نعرہ کیوں لگایا۔ اسدالدین اویسی چونکہ بیرسٹر ہیں اور آج تک قانونی سطح پر کبھی وہ قانونی گرفت میں نہیں آئے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ قانون کو مدنظر رکھ کر ہی بیان دیتے ہیں یا کوئی عمل کرتے ہیں، ایسے میں ان کی رکنیت پر خطرہ نہیں ہوگا البتہ دائیں بازو کی فکر کے حاملین کو موقع ضرور مل گیا اور انہیں ایک بیانیہ قائم کرنے میں کامیابی مل گئی کہ اسدالدین اویسی ملک مخالف ہیں اور پارلیمنٹ میں ایک دوسرے ملک کی جے کا نعرہ لگا کر ملک سے غداری کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ سوشل میڈیا پر دیکھ لیجیے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس بیانیہ کا شکار ہوگئے ہیں۔ ایک صاحب نے ٹوئٹ کیا کہ اویسی کا حلف کے بعد جے فلسطین کا نعرہ شرمناک ہے اور اس کے فوراً بعد دوسرا ٹوئٹ کیا کہ چھترپال سنگھ گنگوار نے اسلامسٹ اویسی کو جے ہندو راشٹر کا نعرہ لگا کر جواب دیا۔ یوپی کے سبکدوش آئی اے ایس افسر سوریہ پرتاپ سنگھ اپنے بیانات کے لیے جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے ٹوئٹ کیا ”آج جے فلسطین، تو کل جے چین اور جے پاکستان کا بھی نعرہ لگایا جاسکتا ہے، یہ کیسا ماحول بنانے کی کوشش ہے اس ملک میں، جہاں ’جے سنودھان‘، ’بھارت ماتا کی جے‘ بولا جانا چاہیے وہاں دوسرے ملک کی جے جے کار؟ کیا یہ سنودھان اور ملک مخالف طرز فکر نہیں ہے؟ کیا لبرل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس تھالی میں کھاؤ اسی میں چھید کرو۔“ آئی اے ایس افسر کو فلسطین کا نعرہ تو دکھائی اور سنائی دے گیا جس کے آئین اور ملک مخالف ہونے کا اعلان کردیا لیکن جے ہندو راشٹر اور جے شری رام کے نعرے انہیں سنائی نہیں دیے۔ سیکولرازم اور جمہوریت کے ساتھ ہی امن کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیے جانے والے نعروں کی شناعت اور اس کے پس پردہ چھپی ہوئی فکر اور اس کے منفی اثرات سے وہ یا تو نابلد ہیں یا پھر جان بوجھ کر اس پر بات نہیں کرنا چاہتے۔ چونکہ ان دونوں نعروں سے متعلق ملک کے عوام بخوبی واقف ہیں اور انہیں وہ مقاصد بھی معلوم ہیں جن کے حصول کے لیے یہ نعرے لگائے جاتے ہیں، اس لیے کوئی اس پر بات نہیں کررہا لیکن پارلیمنٹ کے باہر اور پارلیمنٹ کے اندر کہی گئی باتوں کے الگ الگ مضمرات ہوتے ہیں، اسی لیے ہر اس لفظ کو ریکارڈ سے خارج کردیا جاتا ہے جو غیر پارلیمانی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ریاست ہے، جس سے انکار وہ لوگ بھی نہیں کرسکتے ہیں جو آئینی عہدوں پر ہیں، اگرچہ ان کا تعلق اس تنظیم سے ہے جس کا بنیادی مقصد اس ملک کو ہندو راشٹر بنانا ہے۔ ان لوگوں میں یہ ہمت اس لیے نہیں ہے کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ ملک کے عوام سیکولر اسٹیٹ میں یقین رکھتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جے ہندو راشٹر کا نعرہ کا مطلب ہے کہ ایسا شخص اسٹیٹ کی جمہوریت اور اس کے سیکولرازم میں یقین نہیں رکھتا ہے جبکہ آئین کی بنیاد ہی ان ہی دو الفاظ پر ہے کیونکہ یہی الفاظ ملک کی تکثیریت کو وحدت میں پروتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے اندر ہو یا باہر، اس طرح کے نعروں کی اجازت بالکل نہیں ہونی چاہیے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کو یقینی بنایا جائے۔ لیکن حکومت نہ تو باہر ایسی ذہنیت رکھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرتی ہے اور نہ پارلیمنٹ کے اندر ایسا کرنے پر انہیں قابل تعزیر تصور کرتی ہے، لیکن اگر کوئی خالصتانی پارلیمنٹ میں جے خالصتان یا کوئی علیحدگی پسند ایسا نعرہ لگادیتا یا اویسی ہی جے ہندو کی جگہ جے مسلم راشٹر کا نعرہ لگادیتے تو سوچیے کیا ہوتا؟ پارلیمنٹ کے ممبران اور ملک کا میڈیا ایسا نعرہ لگانے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا؟ دراصل اس طرح کے نعروں کے خلاف خاموشی اختیار کرکے معاشرے میں ان نعروں کو قبول کیے جانے کی راہ ہموار کی جارہی ہے، اسی لیے ہندو راشٹر کے تصور کو بار بار دہرایا جارہا ہے جبکہ یہ آئین مخالف ہے چونکہ ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے جس کا کوئی مذہب نہیں ہے، اس لیے ہندو راشٹر یا اس طرح کے نعروں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ پارلیمنٹ میں جے ہندو راشٹر کا نعرہ لگائے جانے پر سماجوادی پارٹی کے سپریمو اکھلیش یادو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ نعرہ آئین مخالف ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس نعرے کے بعد پورے پارلیمنٹ میں ہر طرف سے یہی آواز گونجتی مگر پارٹی سسٹم چونکہ بھیڑ چال ہوتی ہے، وہاں پارٹی کی لائن پکڑ کر چلنا ہوتا ہے، اس لیے وفاداری ملک اور آئین کے بجائے پارٹی سے کی جاتی ہے۔ ایسے میں یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ اس طرح کے نعروں کے خلاف پارلیمنٹ کے ہر کونے سے آواز آئے گی کہ یہ نعرہ آئین کے خلاف ہے۔ لیکن ممبران پارلیمنٹ کی یہ وفاداری ملک کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہے، جس سے یہاں کے آئین کے بنیادی مقاصد پر ہی صرف ضرب نہیں لگتی بلکہ ملک ایک ایسی سمت کی جانب جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے جہاں تنوع اور کثرت میں وحدت کے بجائے یک رنگی ہو جو اس ملک کی سالمیت، بقاء، اخوت ومحبت اور اس کے امن و امان کے لیے سم قاتل ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔

> حیدرآباد سے رکن پارلیمان اسدالدین کے ذریعہ جے فلسطین کے نعرہ لگائے جانے کے بعد ہمیشہ کی طرح تنازع شروع ہوگیا جبکہ پارلیمنٹ میں لگائے گئے جے ہندو راشٹر اور جے شری رام کے نعروں کے پس پشت چھپی فکر اور معاشرے پر پڑنے والے اس کے منفی اثرات پر گفتگو نہیں ہوئی...

haneef5758@gmail.com

مرکزی حکومت کا بجٹ سازی کا عمل اور عوامی توقعات

ڈاکٹر جاوید عالم خان

تجزیہ

پارلیمنٹ کے حالیہ مشترکہ اجلاس میں صدر جمہوریہ نے مرکزی حکومت کی گزشتہ دس سالوں کی کارکردگی کو پیش کیا ہے مگر انہوں نے بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری، آمدنی کی غیر برابری اور غربت کا ذکر نہیں کیا۔ مرکز میں نئی حکومت کے قیام کے بعد آئندہ بجٹ کے لیے مرکزی وزارت برائے خزانہ کا تمام اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ اس وقت مشاورت کا سلسلہ جاری ہے۔ ان اسٹیک ہولڈرز میں تمام صوبوں کے وزیر خزانہ، ماہر معاشیات، رفاہی تنظیمیں، ٹریڈ یونین، تاجروں، سرمایہ کاروں اور کسانوں کی تنظیمیں شامل ہیں۔ سالانہ بجٹ اخراجات کو تین اہم سیکٹر یا شعبوں کے ذریعہ عوامی خدمات کیلئے خرچ کیا جاتا ہے۔ ان تین سیکٹر یا شعبوں کو عمومی سیکٹر، اقتصادی سیکٹر اور سماجی سیکٹر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عمومی سیکٹر کے تحت جو حکومتی خدمات اور کام انجام دیے جاتے ہیں، ان میں سبسڈی سے متعلق اخراجات، پنشن، سود کی ادائیگی، قرض کی ادائیگی، دفاع سے متعلق اخراجات، قانون، پولیس اور عدلیہ پر خرچ اور مختلف وزارتوں اور شعبوں کو چلانے کیلئے مستقل اخراجات۔ وہیں معاشی سیکٹر سے متعلق دی جانے والی خدمات میں زراعت، آبپاشی، صنعت اور معدنیات، روزگار پروگرامس، نقل وحمل، مواصلات اور توانائی شامل ہیں۔ تیسرا اہم شعبہ سماجی خدمات سے متعلق ہے جس کا اہم مقصد ملک کے اندر انسانی وسائل کو فروغ دینا ہے۔ اس شعبے کے ذریعہ جو اہم خدمات دی جارہی ہیں، ان میں تعلیم، صحت، غذائیت، پانی کی فراہمی اور صفائی ستھرائی کے علاوہ پسماندہ طبقات کی ترقی سے متعلق اہم ترجیحات شامل ہیں۔ پسماندہ طبقات کے تحت اقلیتوں، عورتیں، معذوروں، بچوں، دلت اور قبائلیوں کیلئے بھی ترقیاتی بجٹ مختص کیا جاتا ہے۔ ان میں جینڈر بجٹنگ، چائلڈ بجٹنگ دلتوں اور آدی واسیوں کیلئے ڈیولپمنٹ ایکشن پلان، اقلیتوں کیلئے وزیراعظم کا 15 نکاتی پروگرام اور معذوروں کیلئے مخصوص بجٹ قابل ذکر ہے۔ مرکزی بجٹ 2024-25 یکم فروری کو عارضی بجٹ (Vote on Account) کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ عارضی بجٹ میں مرکزی وزیر برائے خزانہ نے کوئی بڑے پالیسی اعلانات نہیں کیے تھے اور عارضی بجٹ جولائی 2024 تک کیلئے سرکار چلانے کیلئے جن اخراجات کی ضرورت ہے، ان کو منظوری دی گئی تھی۔ عام انتخابات کے بعد اب نئی منتخب حکومت مانسون اجلاس میں اپنا مکمل بجٹ پیش کرے گی۔ مرکزی وزیر کے اس بیان کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فروری میں پیش کیے گئے بجٹ میں عوام کی ترقی سے متعلق ترجیحات اور توقعات پر زیادہ دھیان نہیں دیا گیا تھا۔ اس لیے آنے والے مکمل بجٹ میں عوام سے وابستہ توقعات جیسے کہ تعلیم، صحت، روزگار، غذائیت، سماجی تحفظ اور بنیادی سہولتوں سے متعلق اسکیموں پر اضافی بجٹ کی ضرورت ہوگی۔ تجزیہ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سماجی تحفظ کیلئے بزرگوں، بیواؤں اور معذوروں کیلئے جو ماہانہ پنشن کی رقم (300-400 روپے) دی جاتی ہے جو بالکل ہی ناکافی ہے۔ اقلیتوں، دلتوں، قبائلیوں اور معذوروں کیلئے چلائی جارہی اسکالرشپ اسکیموں کے تحت جو ماہانہ رقم ادا کی جاتی ہے وہ طالب علموں کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرپارہی ہے۔ اس لیے ان اسکیموں کے مختص بجٹ میں اضافہ کی ضرورت ہے۔ صحت، غذائیت اور روزگار کی اسکیموں (نیشنل ہیلتھ مشن، سمگر شکشا، مڈ ڈے میل، پوشن، منریگا نیشنل لاؤلی ہوڈ مشن اور وزیراعظم کا روزگار پروگرام) کے لیے مختص بجٹ اور اخراجات سے متعلق اعداد وشمار یہ بتاتے ہیں کہ ان کے نفاذ میں کافی کمیاں ہیں جس کی وجہ سے عوام ان اسکیموں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پارہے ہیں، اس لیے اگلے بجٹ سے یہ امید کی جاتی ہے کہ مرکزی حکومت ان کمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے گی۔ اسی طرح سے آشا ورکر، آنگن واڑی ورکر اور آنگن واڑی ہیلپر کو جو تنخواہیں دی جاتی ہیں، وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ناکافی ہیں، اس لیے ان ورکرز کی تنخواہوں میں اضافہ اور ان کو سماجی تحفظ بھی فراہم کیا جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ جی ایس ٹی کے نفاذ کے ذریعہ تاجروں اور عوام پر جو بوجھ بڑھ رہا ہے، اس کو حل کرنے کیلئے مرکزی بجٹ کو خاص توجہ دینی چاہیے۔ مہنگائی اور آمدنی کی عدم مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے انکم ٹیکس اور جی ایس ٹی کے ڈھانچے میں مزید تبدیلی کی ضرورت ہے جس سے نوکری پیشہ اور عام لوگوں کو راحت دی جاسکے۔ اس مالی سال کیلئے نئی مرکزی حکومت مانسون اجلاس میں اپنا مکمل بجٹ پیش کرنے والی ہے۔ دراصل بجٹ آئندہ مالی سال کے دوران ہونے والے تخمینہ شدہ اخراجات اور محصولات کے بیان اور تفصیلات کو پیش کرتا ہے۔ مرکزی حکومت ترقیاتی پالیسی اور بجٹ کے ذریعہ اہم سماجی اور اقتصادی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ملک کے سامنے ایک سالانہ فریم ورک کو پیش کرتی ہے۔ سالانہ بجٹ کے ذریعہ مرکزی حکومت سماجی اور اقتصادی انفرااسٹرکچر کی بہتر فراہمی کیلئے بجٹ مختص کرتی ہے جس کا مقصد انسانی وسائل کی ترقی میں اضافہ اور روزگار کے مواقع کو فراہم کرنا ہے۔ بجٹ کے ذریعہ معاشی صورتحال اور قیمتوں میں استحکام کے ذریعہ ملک کے مالی توازن کو برقرار رکھنا ہے، مزید اس عمل کے ذریعہ ملک کے اندر عوام میں آمدنی میں عدم مساوات کو بھی کم کرنا ہے۔ آئین کے مطابق تمام طرح کے محصولات اور اخراجات کو ایک مجموعی فنڈ (Consolidated Fund of India) کے تحت رکھا جاتا ہے اور تمام اخراجات سے متعلق رقم کو کنسولیڈیٹڈ فنڈ سے پارلیمنٹ کے ذریعہ پاس کیے گئے قوانین کے تحت ہی نکالا جاسکتا ہے۔ پارلیمنٹ کے تحت کئی طرح کے مالیاتی کام بجٹ پر مشتمل ہوتے ہیں جس میں عام بجٹ، ڈیمانڈ فار گرانٹس، ووٹ آن اکاؤنٹ، سپلیمنٹری گرانٹس شامل ہیں، اس کے علاوہ پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد آمدنی سے متعلق فنانس بل اور اخراجات سے متعلق اپیروپریئیشن بل کو ایکٹ میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ مزید یہ سارے عمل آرٹیکل 112، آرٹیکل 117، آرٹیکل 262 اور آرٹیکل 267 کے تحت پاس کیے جاتے ہیں۔ حکومت کی ٹیکس پالیسی سے متعلق اقدامات عوام پر منفی اور مثبت طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مرکزی حکومت کمپنیوں کے منافع پر کارپوریشن ٹیکس نافذ کرتی ہے نجی یا ذاتی آمدنی پر انکم ٹیکس بھی لگایا جاتا ہے، ملک سے درآمد یا برآمد اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی نافذ کی جاتی ہے، اسی طرح سے اشیاء کی پیداوار پر ایکسائز ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔ حکومت غیر ٹیکس سے متعلق آئٹم کے ذریعہ آمدنی اکٹھا کرتی ہے، اس میں منافع، فیس، تمام خدمات کے ذریعہ آمدنی اور جرمانہ بھی شامل ہے۔ آمدنی اکٹھا کرنے کے عمل میں حکومت سرکاری اثاثہ اور پراپرٹی کو بھی فروخت کرتی ہے، اگر ان تمام ذرائع سے حکومت کے تخمینہ شدہ اخراجات کی تکمیل نہیں ہوپاتی ہے تو قرض لیا جاتا ہے۔ قرض میں اضافہ کی وجہ سے سود کی ادائیگی کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ تجزیہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ گزشتہ دس سالوں میں قرض کی مقدار میں کافی اضافہ ہوا ہے لہٰذا یہ امید کی جاتی ہے کہ اگلے بجٹ میں حکومت بجٹ گھاٹے کو کم کرنے میں زیادہ توجہ دے گی۔ چونکہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوری نظام حکومت میں آئین قانون ساز اداروں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ ملک کے اندر اکٹھے کیے گئے مالی وسائل اور عوامی اخراجات کی تفصیلات کی جانچ پڑتال کریں۔ حالانکہ تجزیہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ قانون ساز اداروں کے ذریعہ بجٹ سے متعلق مالی وسائل اور اخراجات کی جانچ پڑتال بہتر ڈھنگ سے نہیں کی جارہی ہے۔ بجٹ سے متعلق عوامی بیداری کا فقدان ہے۔ جہاں تک حکومت کے ذریعہ اکٹھا کیے گئے مالی وسائل یا اخراجات کا معاملہ ہے تو اس میں سماجی تنظیموں کی شراکت زیادہ نہیں ہے حالانکہ ان کے ذریعہ پالیسی مداخلت کیلئے یہ ایک بہت اہم موقع ہوتا ہے۔ البتہ کچھ رفاہی تنظیمیں گزشتہ سالوں سے بجٹ سے وابستہ معاملات میں دلچسپی لے رہی ہیں اور بجٹ کا تجزیہ بھی کرتی ہیں، ان کے تجزیہ میں زیادہ توجہ مختص بجٹ میں پسماندہ طبقات اور سوشل سیکٹر کیلئے بنائی گئی ترقیاتی اسکیموں اور اس سے متعلق ترجیحات پر ہوتی ہے۔ ان کے اس عمل کا مقصد یہ بھی ہے کہ پسماندہ طبقات کیلئے حکومت کے ذریعہ چلائے جارہے ترقیاتی پروگراموں کو مؤثر ڈھنگ سے نافذ کروایا جاسکے۔ ان تنظیموں کا یہ بھی ماننا ہے کہ بجٹ کے تجزیہ اور بجٹ ایڈوکیسی کے ذریعہ مختلف سطحوں پر نظام حکومت میں احتساب اور شفافیت کو بہتر کیا جاسکے گا جو کہ مضبوط جمہوری نظام حکومت کا ایک اہم مقصد بھی ہے۔

> سالانہ بجٹ کے ذریعہ مرکزی حکومت سماجی اور اقتصادی انفرااسٹرکچر کی بہتر فراہمی کیلئے بجٹ مختص کرتی ہے جس کا مقصد انسانی وسائل کی ترقی میں اضافہ اور روزگار کے مواقع کو فراہم کرنا ہے۔ بجٹ کے ذریعہ معاشی صورتحال اور قیمتوں میں استحکام کے ذریعہ ملک کے مالی توازن کو برقرار رکھنا ہے...

(مضمون نگار انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اینڈ ایڈوکیسی سے وابستہ ہیں۔)

jawedalamk@gmail.com

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

محبوب نگر میں غالب ہال و مدینہ لائبریری کو فعال بنایا جائے

مکرمی!

ملت کی دردمند شخصیت محمد غوث مرحوم کی ملی خدمات ناقابل فراموش ہیں جنھوں نے چند برس قبل مستقر ضلع محبوب نگر میں مدینہ ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا اور بلند عزائم کو لیکر جدّہ کی مخیّر شخصیت سے رابطہ قائم کرتے ہوئے ایک 80 ایکر سے زائد اراضی کے حصول میں کامیابی حاصل کی اور پھر اس پر ایک عظیم الشان عمارت بھی تعمیر کروائی اسکے علاوہ ضلع محبوبنگر میں مدینہ پبلک لائبریری کے نام سے ایک کتب خانہ کا قیام عمل میں لایا تھا۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد آئی۔ اے۔ ایس ڈسٹرکٹ ریونیو آفیسر کی حیثیت سے جب محبوب نگر میں تھے تب انھوں نے مدینہ مسجد میں غالب ہال کے نام سے بلڈنگ حکومتی سطح پر نمائندگی کرتے ہوئے تعمیر کروائی تا حال یہ مدینہ لائبریری اسی عمارت میں قائم ہے۔ جہاں پر ہارون رشید ایڈوکیٹ جنھیں دین اور ادب سے کافی لگاؤ تھا۔ وہ بحیثیت سکریٹری مختلف عنوانات پر جلسوں کا انعقاد عمل میں لاتے رہے جس میں خاص تعداد محبان اردو کی شرکت کرتی رہی حال ہی می ان کے انتقال کے بعد لائبریری جیسے یتیم ہوگئی۔ وہ تمام ادبی و دینی سرگرمیاں ختم ہوگئیں۔ اس محلّہ میں کثیر تعداد میں مسلم احباب بستے ہیں نہ جانے کیوں وہ اسکے احیا کیلئے کوشش نہیں کررہے ہیں۔ عبدالہادی ایڈوکیٹ جو ہارورشید ایڈوکیٹ کے بھائی ہوتے ہیں وہ اگر متحرک ہوجائیں تو لائبریری و غالب ہال دونوں سرگرمیاں جاری رکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں پر دینی و ادبی عنوانات پر جلسوں اور مشاعروں کیلئے فروغ اردو کیلئے بھی اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ اس خصوص میں عوض بن احمد صدر مدینہ مسجد کمیٹی کو بھی توجہ دینے کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ عبدالباری ایڈوکیٹ و دیگر محلّہ کے محبان اردو کیساتھ مشاورت کرتے ہوئے مثبت اقدامات کریں تو اس عمارت سے استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حکومت تلنگانہ اردو زبان سے ہمدردانہ روانہ رکھتی ہے اور اسکو دوسری زبان کی حیثیت تسلیم بھی کرچکی ہے لہذا یہ احباب اگر دردمندی وفراست سے کام لیں تو طلباء کیلئے تربیتی پروگرام بھی منعقد کئے جاسکتے ہیں۔ مسابقتی امتحانات کیلئے کوچنگ دی جاسکتی ہے۔ بہر حال اس خصوص میں جلد اقدامات کئے جائیں تو فروغ اردو فروغ کے تعلق سے بہت کچھ کام کیا جاسکتا ہے۔ امید کہ دردمندان ملت اس مخلصانہ اپیل پر جلد توجہ دیتے ہوئے متحرک ہوجائینگے۔

حلیم بابر، محبوب نگر، تلنگانہ

منشیات کی لت

مکرمی!

والدین اپنے بچوں کی نشہ آور چیزوں سے متعلق بات کریں کہ یہ مادے بچوں کے لیے کیسے نقصان دہ ہیں۔ تمام قسم کے تمباکو، منشیات اور الکحل کے ساتھ ساتھ دیگر چیزوں کے بارے میں ایمانداری سے اور کھل کر بات کریں جن کا استعمال بچے اپنی زندگی میں تناؤ سے نمٹنے کے لیے کرسکتے ہیں۔ بچے اپنی پریشانیوں سے الجھتے الجھتے منشیات کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو پسندیدہ کھیلوں اور مقابلوں میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ان کے دوست کون ہیں اور وہ اپنا وقت کہاں گزارتے ہیں۔ جن بچوں کے دوست منشیات کا استعمال کرتے ہیں، ان کے منشیات لینے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ والدین بچوں کو خطرناک صورتحال میں ہونے سے پہلے حقائق بتا کر منشیات کے استعمال سے بچانے میں مدد کرسکتے ہیں۔ منشیات کی لت کسی بھی خاندان کو متاثر کرسکتی ہے۔ لیکن اپنے بچوں کے ساتھ بات کرکے اور ان کی زندگیوں میں شامل ہوکر، آپ انہیں اس برائی سے محفوظ رکھنے میں مدد کرسکتے ہیں۔ دوسری جانب حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے لیے خفیہ انعامات کا اعلان کرے جو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دیں جو قریب یا آس پاس منشیات کا استعمال کررہے ہیں، یہ دوست، ہم جماعت، پڑوسی، ساتھی، رشتہ دار یا کوئی بھی اجنبی ہوسکتا ہے۔ یہ خیال انعامات کی خاطر یا انہیں پریشانی میں ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ انہیں منشیات سے بچانے کے لیے ہے۔ پولیس کے خوف سے ہی کم از کم وہ منشیات کے استعمال سے گریز کریں گے۔ ان کو اور اپنے ملک کو بچانا ہماری ذمہ داری ہے۔

سید شمس الدین مغربی - حیدرآباد

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

وہ جو برسوں پہلے اندرا سے ہوا تھا ایک جرم
جس کو غلطی مان کر خود ہی کیا تھا سدِ باب
آج غیر اعلانیہ ویسے ہی جبر و ظلم پر
اپنے حاکم پھر سناتے ہیں وہی پچھلی کتاب

ضمیر ہاشمی

روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے سری سیشا سائی انٹر پرائزس، 98/1، کوآپریٹیو انڈسٹریل اسٹیٹ، گاندھی نگر، نزد بالانگر، میڑچل ضلع ملکاجگیری، حیدرآباد۔ 37 میں چھپوا کر اور سہارا منزل، سکینڈ فلور، سیف آباد، روبرو تلنگانہ سکریٹریٹ، حیدرآباد۔ 63 سے شائع کیا۔
For Sahara India Mass Communication Printed & Published by **Zia Qadri**, Printed at Sree Sesha Sai Enterprises, 98/1, Co-Operative Industrial Estate, Gandhi Nagar, Near Balanagar, Medchal-Malkajgiri Dist. Hyd-37 and published from Sahara Manzil, 2nd Floor, Opp. TS Secretariat, Saifabad, Hyderabad-63.
* Resident Editor: **Mohammed Shahabuddin Pasha** (shahab_pasha@yahoo.com) **ریزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد شہاب الدین پاشاہ** ■ Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) **گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی**
For News HYD.: rassahaurdu@gmail.com, Mob: +91 - 9885226377 / +91-8885226377 ■ Advt.: Email : saharadaily@yahoo.com ■ Advt. National: Email: adsahara@gmail.com Mob: +91-9891773434 / 9899452476
■ Website :- www.roznamasahara.com ■ Circulation: +91- 9866207440 : فون نمبرات سرکولیشن ■ 040-23230323 : فیکس ■ 040 - 42006049 : فون نمبر ■ +91- 8885226377: برائے نیوز ارسال واٹس ایپ
*اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
R.N.I. No-APURD/2007/18610 Roznama Rashtriya Sahara (Hyderabad) شمارہ نمبر 266 جلد: 18